انتخاب میں
اکبر الہ آبادی
آتش لکھنوی
امجد اسلام امجد
اسلم انصاری
بیزاد لکھنوی
حسرت
مومن
سعد اللہ شاہ
شبنم شکیل
عباس تابش
قتیل شفائی
منیر نیازی
ناصر کاظمی

فائزہ افتخار

سنو ساجی کی ڈائری

"لگتا ہے آج پھر کاکی اور ننھی ایک دوسرے کے بال نوچ رہی ہیں؟"

فرخندہ نے واش بیسن میں ہاتھ دھوتے دھوتے کان لگا کر سنا۔

"ہیں۔۔۔؟ کچی۔۔۔؟ میں دیکھ کے آؤں؟"

ناجی نے پوچھا لگاتے لگاتے رک کر دانت نکالتے ہوئے کہا تو فرخندہ نے ڈپٹ کر دکھ دیا۔

"ایک تو دن چڑھے' بارہ بجے آتی ہے صفائی کرنے اور ہر منٹ بعد پلو جھاڑتی باہر کو لپکتی ہے' دھیان سے

ناولیٹ

لگا پوچھا۔۔۔ فینائل ڈالا۔۔۔؟"

"ہاں جی۔۔۔ پورے چار قطرے گن سکے۔"

ناجی نے پکے منہ کے ساتھ جتلایا۔ فرخندہ کی کنجوسی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں تھی۔ کپڑے دھونے کے لیے چنگیوں میں سرف دیتی' پوچھا لگانے کے لیے قطروں کی صورت فینائل۔۔۔ برتن خود دھوتی اور خدا گواہ ہے کہ کبھی میکسی کی پوری نکیہ سنک پہ نہ رکھی تھی۔ چھری سے کاٹ کاٹ کر دو انچ کے ٹکڑے رکھتی۔ ہر ٹکڑا ہفتہ ہفتہ چلاتی۔ ہر ماسی اس سے مار آکر مہینے بعد کام چھوڑ جاتی۔ ایک ناجی ہی تھی جو اپنی مثال آپ تھی جو چھ مہینے سے ٹکی ہوئی تھی۔

"دیکھ لے آپا۔۔۔! کیا خیال ہے' اس بار کس کا پلڑا بھاری رہے گا۔" ناجی نے سیڑھیاں رگڑتے رگڑتے ہاتھ روک کر پوچھا۔

"اسی کا۔۔۔ جس کا پاؤں بھاری ہوگا۔"

فرخندہ نے ٹھٹھا لگایا اور ناجی منہ پہ دوپٹہ رکھ کے ہنس پڑی۔ اسی وقت بیڈ روم سے فرخندہ کے شوہر شہباز کی فریاد سنائی دی۔

"فرخندہ۔۔۔ میرا رومال۔۔۔"

"آئے ہائے۔ ایک تو ان کا سدا بیمار نزلہ۔۔۔ سارے رومال گلا کے رکھ دیے ہیں۔ لب اپنے دوپٹے پھاڑ پھاڑ کے بھی تھک گئی ہوں۔"

فرخندہ بڑبڑاتی ہوئی اندر گئی۔

پرانے جوڑے کاٹ کر تیزی سے لنڈ نائی تیار کر بیٹی کو پسند دینے کے بعد بڑے بڑے بار ڈرائنگ

کے وہ در، جنوں روٹی بناتی تھی۔ کیوں کہ تیس سال کی دھان پان سی بنی ان بھدے پرنٹ کے جوڑوں کے ساتھ یہ بارڈر والے دوپٹے لپیٹ کر بالکل بڑی اماں لگتی تھی۔ اس لیے اس کے لیے سادی ململ کے دو دوپٹے ہر وقت رنگ کے رکھے جاتے۔ ایک کلاہ ایک سفید، ہر سوٹ کے ساتھ چل جاتا اور وہ رنگ برنگے دوپٹے شاید کے نزلہ زکام کو نمٹانے کے کام آجاتے۔

"یہ لیں روٹی۔ اور دکان پر جاتے جاتے ذرا ایک نظر کاکی کے گھر پہ تو ڈال لینا۔ بڑی مار ماری جیسی آوازیں آرہی ہیں۔"

"کب نہیں آتیں۔"

"پھر بھی ذرا دیکھنا تو۔"

"میں کیا کروں گا دیکھ کے۔" وہ زچ ہوا تھا۔

"کرنا کیا ہے، گھر کے نمبر پہ ایک بیل مار دینا۔ مس کال۔"

"تاکہ تم چسکے لینے وہاں جا پہنچو۔" وہ بڑبڑاتا ہوا باہر نکلا۔

"ہاں تو کیا کروں۔ جب اپنے گھر میں چسکے لینے والی کوئی چیز نہ ہو تو بندہ آس پاس بھی نہ جھانکے۔"

اس نے ٹھنڈی آہ بھری۔

جب بیاہ کے یہاں آئی تھی تو اتنی ویرانی اور بے لطفی کا عالم نہیں تھا اس گھر میں۔ خیر سے ساس بھی تھی اور نندیں بھی۔ تب فرخندہ کو چسکے لینے کے لیے کان پڑوس سے آتی آوازوں پہ لگانے کی ضرورت نہ تھی۔ اپنے ہی گھر کا آسرا کافی ہوتا تھا۔ ایک نند ایف اے کر کے گھر بیٹھی تھی، دوسری کر رہی تھی۔ ساس ماشاءاللہ سے چوبیس گھنٹے سر پہ سوار۔ خوب معرکے ہوا کرتے۔ پھر پتا نہیں کس کی نظر لگ گئی۔ پہلے ایک نند بیاہ کے کراچی گئی۔ پھر دوسری بیاہ کے کویت۔ کراچی والی نے کراچی کو بھی کویت بنا لیا اور سال ڈیڑھ سال بعد بھی لاہور آتی۔ اور چند دن گزرتے، پتا بھی نہ چلتا واپس چلی جاتی۔ لڑنے کا ایک بھی موقع دیے بغیر، ساس بھی تو وہ جیسے بیٹیاں رخصت کرنے کے انتظار میں تھی۔ بس جھٹ پٹ ختم ہوئی۔ تب سے فرخندہ تھی اور اس کی اداسی۔ اس کا اکیلا پن۔ زندگی کا یہ سونا پن اسے مار ہی ڈالتا اگر چار گھر پرے ننھی اور کاکی نہ بستیں۔

☆ ☆ ☆

"پتا نہیں کیا دشمنی نکالی ہے اس توری کی شکل والے پراپرٹی ڈیلر نے۔ کدھر لا پھنسایا ہے۔" کلثوم نے اٹھا اٹھا کے پلیٹیں پٹخیں۔

"سب آپ کی غلطی ہے۔ بس مکان دیکھ لیا۔ ہمسائے نہ دیکھے۔"

"کرائے کے مکان ڈھونڈنے نکلا تھا کلثوم بیٹی یا بیٹے کا رشتہ ڈھونڈنے نہیں جو محلے بھر کے دروازے کھٹکھٹاتا۔"

تصدق نے ہاتھ میں پکڑا اخبار گول مول کر کے ٹیبل پہ پھینکا۔ برابر سے اٹھتے واہیات شور نے ایک خبر تک پڑھنا محال کر دیا تھا۔

"ویسے بھی اس ایک برائی کے علاوہ اس مکان میں برائی ہے کون سی؟ اتنے صاف ستھرے علاقے میں بنا ہوا لوئر پورشن اور کہیں مل سکتا تھا تمہیں؟ اس سے دگنے کرائے میں اپر پورشن مل رہے تھے۔ تم سے چڑھی جاتی تھیں سیڑھیاں؟ اس ڈھائی من کے دکھ کے ساتھ اور سب سے بڑی بات، مالک مکان کے ساتھ رہنے کا بھی کوئی غم نہیں۔ ورنہ تمہاری بھی بنی ہے کسی مالک مکان کے ساتھ؟ وہ بھلے لوگ اپنے پورشن میں تالا لگا کے شہر کے دوسرے کونے میں رہتے ہیں۔ کرایہ تک مانگنے نہیں آتے۔"

"بھلے کیسے؟ کائیاں کہو۔ اپنے سر سے بلا اتار کے ہمارے سر منڈھ گئے۔ مکار کہیں کے۔ ان بلاؤں کے ہمسائے میں رہنے کا حوصلہ نہیں ہو گا ان میں۔ ہم ہی پاگل ہیں جو صبح شام ان کو بھگتنے خوش خوش آگئے۔"

"ہم پاگل نہیں۔ ضرورت مند ہیں اور وہ عقل مند ہو سکتے ہیں، کائیاں ہو سکتے ہیں اور مکار بھی۔ کیا فرق پڑتا ہے۔ یہ سب ہونا افورڈ کر سکتے ہیں۔ فرق ہے ان کے پاس۔ اچھا بھلا سات مرلے کا نیا بنا گھر چھوڑ کے انہوں نے اپنی سہولت اور مرضی کے مطابق بنایا ہو گا، ان ہنگل لوگوں کی وجہ سے کرائے پہ چڑھا کے دوسرے مکان میں چلے گئے۔ وہ لے سکتے ہیں ایک کے بعد ایک مکان۔ ان پہ یہ نخرہ جچتا بھی ہے۔ ہمیں کہاں سے ملے گا آٹھ ہزار میں سات مرلے کا دو بیڈ روم، لاؤنج، ڈرائنگ ڈرائنگ والا لوئر پورشن۔ گیارہ ہزار پچھلے گھر کے دیتے تھے، تھا تو وہ بھی سات مرلے کا مگر پندرہ سولہ سال پرانا بنا ہوا۔ اپنا گھر ہو تو بیس سال تک بھی اینٹ نہیں بدلی جاتی۔ مگر سولہ سالوں میں آٹھ دس کرائے دار بدلنے کے بعد گھر میں رہتا کیا ہے۔ اوپر سے اپر پورشن، گرمیوں میں تندور، سردیوں میں فریزر، مالک مکان کی بیوی سے تمہاری ہر دوسرے دن کھٹ پٹ رہتی تھی۔ کبھی پانی والی موٹر پہ، کبھی سیڑھیوں پہ کیچڑ والی چپل لانے سے، کبھی بل کے مسئلے پہ، کبھی بچوں کے شور مچانے پہ، اور پورے چار مہینے جوتے چٹخائے تھے میں نے پراپرٹی ڈیلروں کے پاس کوئی بارہ ہزار میں پانچ مرلے کا ڈربہ نما پورشن دکھا رہا تھا کوئی چودہ ہزار میں تین مرلے کا ڈبل اسٹوری گھر جیسے دو ماچس کی ڈبیاں اوپر تلے رکھ دی ہوں۔ کوئی سترہ ہزار میں نسبتاً کھلا پورشن۔۔۔ مگر ایک تو کرایہ اوقات سے زیادہ، اوپر سے دروازے دیمک کھائے، فرش کے پلستر اور باتھ رومز کی ٹائلیں اکھڑی ہوئی۔ غنیمت سمجھو اس کو جو آٹھ ہزار میں مل گیا۔ پہلے کرائے دار ہیں ہم یہاں، گیسٹ اینٹ چمک رہی ہے۔"

اس کے ساتھ ہی ننھی کے اونچی آواز میں رونے اور کوسنے دینے کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔ تصدق کے طویل بیان کو بریک لگا۔ اس کے ماتھے پہ کیا، پورے چہرے پہ ناگوار قسم کی شکنیں نمودار ہوئیں اور وہ زیر لب بڑبڑانے لگا۔

کلثوم سر پکڑ کے بیٹھ گئی۔

"اس عورت کی نحوست اس کے اپنے گھر کے ساتھ ساتھ ہمارے گھر کو بھی کھا جائے گی۔ ہر وقت رونا دھونا۔ ہر وقت بد دعائیں اور کوسنے۔ نرا عذاب ہے۔"

☆ ☆ ☆

"یار! یہ اچھی رونق ہے۔ چھٹی کا دن مزے سے گزرتا ہے۔" نعیم نے بالکونی سے نیچے جھانکتے ہوئے کہا۔

چھٹی والے دن بھی عادت سے مجبور وہ جلدی اٹھ جاتا تھا جبکہ کاشف کا ارادہ دیر تک سونے کا ہوتا تھا اور اس کے اس ارادے پہ پانی پھیرنے میں سامنے والے گھر کی ننھی اور کاکی پیش پیش ہوتیں۔

دونوں شادی شدہ تھے مگر اس پورشن میں رہتے کنواروں کی طرح تھے۔ کاشف میانوالی سے، جبکہ نعیم فیصل آباد سے لاہور آبسے تھے۔ روزگار کے سلسلے میں چونکہ دونوں کا تعلق اچھے خاندان سے تھا اور سسرال بچے دار بھی تھے۔ بیویوں سے ناز نخرے اٹھوانے کے بعد کہاں عادت رہتی ہے ہاسٹلیوں کی زندگی کی۔ ویسے بھی ایک تیس سال کا دوسرا چوبیس سال کا، اوپر سے چھوٹے شہر کے (لاہور سے نسبتاً) رہائشی۔ ہاسٹلز میں رہنے والے لاہوری چھوکروں سے دونوں کی بنی نہیں۔

ایک ہی فرم میں ملازمت کرنے کی وجہ سے تھوڑی بہت دوستی تو شروع سے تھی مل کے یہ پورشن کرائے پہ لے لیا۔ علاقہ صاف ستھرا بھی تھا۔ فرم کی سائٹ سے دس بارہ منٹ کی ڈرائیو پہ اور کونسی چیز سامنے ہی سے مل جاتی تھی۔ یہاں رہتے دونوں کو ڈیڑھ ماہ ہوا تھا۔ دوستی اب پکی رات کے ساتھ کی وجہ سے خاصی پروان چڑھ چکی تھی۔

اس محلے میں وہ واحد مکان نہیں تھا جس کا ایک حصہ کرائے پہ دیا گیا ہو۔ نئی نئی ہاؤسنگ اسکیم تھی۔ تین مرلے، پانچ مرلے اور سات مرلے پہ مشتمل مکان تھے۔ زیادہ تر افراد نے فصلوں پہ پلاٹ لیے تھے۔ بعض نے پلاٹ خرید لینے کے بعد پیسوں سے قرضہ لے کر تعمیر کرائی تھی اس لیے سب سے بہتر طریقہ یہی تھا کہ چند سال کے لیے تنگ رہا جائے مگر مکان کا ایک حصہ کرائے پہ دے کر کرائے کی رقم سے

بینک کی قسط نکال دی جائے مگر منظور صاحب کے مکان کا یہ پورشن کوئی کرائے پہ لینے پہ تیار نہ ہوتا۔ ہو بھی جاتا تو چند ہفتوں بعد مکان خالی کر جاتا۔ وجہ بالکل سامنے رہنے والے ننھی کاکی اور منا تھے۔

آخر کار انہوں نے وہ قدم اٹھالیا جو اس سے پہلے کسی نے نہ کیا تھا یعنی دو چھڑے چھانٹ کرائے دار رکھ لیے۔ انہیں اس تکلیف دہ ہمسائیگی سے زیادہ شکایت اس لیے نہیں تھی کہ سارا دن تو وہ گھر سے باہر ہوتے تھے۔ رات کو آتے تو تھک ہار کے لمبی تان کے سو جاتے۔ البتہ چھٹی کے دن ہونے والا کوئی معرکہ وہ مس نہیں کرتے تھے۔

"یار! کیا مصیبت ہے۔ بند کرو کھڑکی۔ ابھی تو نو بجے ہیں۔" کاشف نے تکیہ منہ پہ رکھا۔

"دیکھ تو سہی۔ منے میاں کے ماتھے پہ گومڑ نظر آرہا ہے۔ اللہ جانے بیلن لگا ہے یا اس دن کی طرح ریموٹ اٹھا کے مارا ہے ننھی بی بی نے۔"

"تم کیا عورتوں کی طرح کن سوئیاں لیتے رہتے ہو۔ میری بلا سے ریموٹ اٹھا کے مارا ہو یا پھر پورے کا پورا ٹی وی دے مارا ہو۔ مجھے نہ بلانا اب۔ میں سونے لگا ہوں۔" اس نے چڑ کے کروٹ بدل لی۔

"دیکھ تو وہ تمہاری مظلوم خاتون۔ کاکی۔ رو کے اس نے آنکھیں سجا رکھی ہیں اور چپ چپ سی بھی ہے۔ ننھی اکیلی ہی بھڑاس نکال رہی ہے۔"

"ہو ہی نہیں سکتا۔" اب کاشف بھی کمبل پھینک کر بالکونی میں آگیا۔

"ضرور اس کی داڑھ میں درد ہو گا ورنہ کاکی اور چپ رہے۔"

"نہیں نہیں کاکی ہی پھر بھی ننھی صاحبہ کی نسبت ٹھیک ہیں۔ صبر کر لیا ہو گا۔"

"ناممکن۔ لگتا ہے پانچ کے دس۔۔۔؟"

"لگ گئی۔" کاشف نے فوراً شرط لگالی۔

کاکی، ننھی اور منے کے معرکوں سے پورا محلہ بھلے ہی کتنا تنگ ہو مگر نعیم اور کاشف جیسے گھر اور گھر والوں سے دور رہنے والوں کے لیے یہ بھی دل بہلانے اور وقت گزاری کا ایک بہانہ تھا۔ کسی نہ کسی بات کو لے کر دونوں شرطیں لگاتے رہتے۔

☆ ☆ ☆

"ہائے ہائے۔ میری جوانی کھا گئی یہ منحوس شکل والی۔" ننھی نے ہاتھ لہرا لہرا کے فریاد بلند کی۔

"کون سی جوانی۔۔۔؟ نام ننھی ہو جانے سے تو ننھی نہیں بن جاؤ گی بارہ شریف۔ مونچھیں بھی سفید ہو گئی تھیں تمہاری تو میکے میں بیٹھے بیٹھے رشتوں کا انتظار کرتے ہوئے۔"

"مونچھیں ہوں گی تمہاری اس تھانیدارنی بہن کی۔" ننھی نے تڑپ کے کاکی کو اس کی چھوٹی بہن کا طعنہ دیا جو انٹر کرتے ہی ٹریفک پولیس میں بھرتی ہو گئی تھی اور اب موٹر سائیکل دوڑاتی پھرتی تھی سگنل توڑنے والوں کے پیچھے۔

"تھانیدارنی نہیں "ٹریفک لیڈی کانسٹیبل۔ رہنا تم جاہل کی جاہل۔۔۔" کاکی نے بلک کر کہا۔

"تو تو بڑی عالم فاضل ہے ناں۔ پیلی دیواروں والے اسکول سے رو رو کے آنکھیں کی ہے۔"

"ہاں تو تو استانی تھی وہاں۔ اسی لیے پتا ہے ناں۔ استانی۔۔۔ وہ بھی خانہ داری کی جو بچیوں کے پتائے کھانے ڈبوں میں باندھ باندھ کے گھر لے جاتی تھی اور ان سے اپنے گھر کے سارے ٹیکوں کے غلافوں پہ کڑھائی کروایا کرتی تھی۔"

"ساری دنیا جانتی ہے کون استانی ہے اور کون ماسٹرنی۔ جب تمہاری شادی ہوئی تھی میں تو گلیوں میں کھیلتی پھرتی تھی۔ نو دس برس کا سن تھا۔"

"اسی لیے تو صحیح نام رکھا ہے میں نے تمہارا ننھی۔۔۔" کاکی نے دانت کچکچا کے کہا اور ایسا کہتے ہوئے وہ اپنا وہ نام بھول گئی جو ننھی نے اس کا رکھا تھا۔ کاکی۔

منے نے سر پہ ہاتھ رکھ کے دونوں کو ایک دوسرے کے بخیے ادھیڑتے دیکھا اور سرد آہ بھر کے اٹھ گیا۔ اب وہ کمرے میں جا کے اپنے گم گشتہ ماضی کو یاد کرتے ہوئے مزید آہیں بھرنے والا تھا۔

☆ ☆ ☆

منا۔ یعنی منور کریم کی زندگی ایسی عبرت ناک نہیں تھی جیسی اب گزرے ڈھائی سالوں میں ہو گئی تھی۔

منا اور کاکی۔ جو پہلے کاکی نہیں کوکب کہلاتی تھی۔ بڑی بھلی گزارتے ہی آرہے تھے آٹھ برس سے۔ بس ایک ہی تو کمی تھا کہ آٹھ سالوں میں ان کے ہاں اولاد نہ ہو سکی تھی۔ کاکی کی ساس نے تو تیسرے ہی سال شور مچا دیا تھا بیٹے کی دوسری شادی کا۔ مگر منا ایک تو کاکی کے آنسوؤں سے گھبراتا تھا' دوسرا خرچہ بڑھنے سے۔ معمولی سا ٹھیکے دار تھا۔ گھر اپنا تھا۔ ذاتی سیکنڈ ہینڈ کار بھی تھی لیکن دو دو بیویوں کی ذمہ داری اس کا حل بھی اس کے پاس تھا۔

"کوکب کو طلاق دے دے۔"

"نہیں اماں۔۔۔ ایسے کیسے۔۔۔" وہ گھبرا گیا۔

بدعاؤں سے بڑا ڈر لگتا تھا۔ اسے پچھلے سال اس کے ایک جاننے والے نے بغیر کسی وجہ سے اپنی بیوی کو طلاق دے کر دوسری شادی رچالی۔ پہلی بیوی نے تو لمحہ والے دن فلمی انداز میں بھرے پنڈال میں جھولی اٹھا کے وہ بددعائیں دیں کہ ہنی مون سے واپسی پہ ان کی گاڑی ٹرک سے ٹکرا گئی۔ نئی نویلی بیوی کو تو معمولی چوٹیں آئیں مگر خود بے چارے کی ٹانگ کٹ گئی۔ نئی بیوی نے دو مہینے بھی لنگڑے دولہا کی تیمارداری نہ کی اور طلاق کا نوٹس بھجوا کے اپنے اس کزن کو معافی کا خط لکھ مارا جس سے بچپن کی منگنی توڑ کے یہ شادی کی تھی۔

اس خوف نے اسے طلاق دینے سے باز رکھا اور ضرورتیں بڑھنے کے ڈر نے دو دو بیویاں بیک وقت رکھنے کے اقدام سے دور رکھا اگرچہ اس کشمکش میں اسے اماں سے سو باتیں سننے کو ملتیں۔

"میں تو پوتے کی شکل دیکھے بغیر مر جاؤں گی۔"

"جس نے کہا ہے ترسنے کو۔" کاکی یعنی اس وقت کوکب زیر لب بڑبڑا کے کہتی۔

"جاؤ۔ جا کے چھوٹے والے کے پاس ڈیرے ڈالو۔ جس کے ایک چھوڑ تین تین بیٹے ہیں۔ دن رات پوتوں کی شکل دیکھو بھی اور چاٹو بھی۔ یہاں کیا کرنے بیٹھی ہیں۔"

اسے بڑی تکلیف ہوتی تھی اس بات کی کہ ساس دو دو بیٹوں کے ہوتے ہوئے بھی بڑے والے یعنی منور کے پاس ہی کیوں رہتی ہے اور اس نے کئی بار منور سے دبے لفظوں میں کہا بھی تھا۔

"اماں کا یہاں دل نہیں لگتا۔ اکیلا گھر ہے ناں۔۔۔ انہیں تصور کے ہاں بھیج دو۔ پوتے پوتیوں میں دل بہلا رہے گا۔"

"اور میں۔۔۔ میرا کیا ہوگا؟" وہ گھبرا جاتا۔

"کیا مطلب؟ میں کیا تمہارا خیال نہیں رکھتی۔۔۔ کیا یہ گھر صرف تمہاری اماں کے سہارے چل رہا ہے؟" وہ غضب ناک ہوتی تو منور ہکلا کے وضاحت دیتا۔

"نہیں کوکب! میرا مطلب تھا' گھر اور بھی سونا سونا لگے گا۔ ویسے بھی میرا یقین ہے کہ میرے گھر میں برکت اماں کے دم سے ہے۔ وہ چلی گئیں تو میرا کاروبار ڈوب جائے گا۔"

کوکب تلملا کے رہ جاتی۔ اس سے زیادہ کرنے کی فی الحال پوزیشن میں نہیں تھی۔ شادی کو زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔ فقط تین سال۔

اور تین سالوں میں گود بھی اب تک سونی تھی ورنہ قدم اتنے تو جما لیے ہوتے کہ ڈنکے کی چوٹ پہ اپنی من مانی کر سکتی۔ ابھی تو بے چاری دل مسوس کے رہ جاتی تھی۔ کہیں ساس کو نکالتے نکالتے خود نہ نکل جائے۔

سونا رکی۔ ایک لوہا رکی۔

ادھر شادی کے چوتھے برس منور کی ماں اللہ کو پیاری ہوئی۔ ادھر منور کی ٹھیکے داری چمک اٹھی۔ کاروبار دن دونی رات چوگنی ترقی کرنے لگا اور اب صحیح معنوں میں کوکب کو موقع ملا اسے ایک کی دس سنانے کا۔

"لو۔ اب بتاؤ' کون کس کے لیے مبارک ہے اور کس کے دم سے برکت ہے اس گھر کی۔ جب تک ساری کمائی اماں کے ہاتھ لا کر رکھتے تھے' روتے ہی رہتے تھے خرچوں سے۔ اب میرے ہاتھ میں لا کے رکھتے ہو تو دیکھو۔ کیسے دو کے چار اور چار کے آٹھ بنا کے دیتا ہے اللہ۔۔۔"

منور لاجواب ہو جاتا۔ مگر دل میں کوکب کی قدر اور بڑھ جاتی۔ جیسے جیسے خوشحالی بڑھتی گئی اس کے دل میں کوکب کے لیے ممنونیت اور مرعوبیت بڑھ گئی اور کوکب کے دل میں اولاد کے لیے حسرت۔ اگرچہ اب اس معاملے کو ہوا دینے والی۔

ساس نہیں رہی تھی لیکن میکے اور سسرال کی اور بہتیری خواتین تھیں جو آئے دن یہ ذکر چھیڑتی رہتیں۔ جو کسر تھی وہ محلے والیاں پوری کر دیتیں۔ اب تو کوکب کو خود بھی یہ خالی آنگن چبھنے لگا تھا۔ بنو بھر کے بازار نکلتی۔ مگر خالی ہاتھ واپس آتی۔

کب تک کپڑے' زیور خریدتی۔ کبھی جھنجھنا خریدنے کو من کرتا۔ کبھی واکر یا ٹرائی سائیکل۔ کبھی ٹیکریں دل کھینچتیں' کبھی گلابی فراک۔۔۔ کبھی فیڈر نئے ڈیزائنوں کے لگتے کبھی اسٹفڈ ٹوائز پہ سیل لگی دیکھ کر جی مچل جاتا۔ گھر کی آرائشی چیزیں بھی کتنی خریدتی؟ جو تھیں ویسی کی ویسی تھیں۔ نہ کوئی توڑنے والا نہ خراب کرنے والا۔

اسے زندگی کے اس خالی پن کا احساس شدت سے ہونے لگا۔ وہ اٹھتے بیٹھتے منور کے سامنے دکھڑا رونے لگی۔ یہاں تک کہ ایک دن اس کی بہن۔۔۔ چھوٹی بہن نے ٹوک دیا۔

"پاگل ہوئی ہو باجی۔! اپنے منہ سے بھی کوئی اپنے پیر پہ کلہاڑا مارتا ہے؟"

"منہ سے تو کوئی بھی نہیں مارتا۔ ہاتھوں سے ہی مارتے ہیں۔ ایک تو تمہیں بھی ناں شکیلہ! ایک محاورہ ٹھیک سے بولنا نہیں آتا۔"

"اور تمہیں تو خیر سے کچھ بھی ٹھیک سے بولنا نہیں آتا۔" شکیلہ نے تاسف سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

وہ کوکب سے ایک نہ دو پورے نو برس چھوٹی تھی۔ غیر شادی شدہ تھی مگر عقل بلکہ یوں کہو کہ چالاکی اور مکاری میں نو ہاتھ آگے تھی۔

"تم خود بڑھ چڑھ کے میاں کے سامنے بے اولادی کا رونا روؤ گی تو وہ جو ابھی اس معاملے کو زیادہ اہمیت نہیں دے رہا' وہ بھی سنجیدگی سے سوچنے لگ جائے گا۔"

"ہاں تو سوچے۔ یہی تو میں چاہتی ہوں کہ اسے بھی احساس ہو' ہماری زندگی کتنی پھیکی ہے۔"

"یہ احساس دلانے سے کیا ہوگا؟ وہ تمہاری پھیکی زندگی میں نمک مرچ یا چاٹ مسالہ چھڑکے گا؟ کیموں نچوڑے گا؟" شکیلہ اپنا آدھا انچ چوڑا ماتھا پیٹنے بیٹھ گئی۔

"وہ میرا کسی بڑے ڈاکٹر سے علاج کرائے گا۔"

"اور اگر ڈاکٹر نے تمہیں لاعلاج قرار دے دیا تو؟" شکیلہ کے سوال نے اسے گم صم کر دیا۔

"ویسے بھی اس کے پاس پیسہ آگیا ہے مگر پیسہ خرچ کرنے کا جگرا نہیں آیا۔ ابھی تک اسی پرانے ماڈل کے کیری ڈبے پہ صبر شکر کر کے بیٹھا ہے۔ یہ نہ ہو' ڈاکٹر کے علاج کے بجائے وہ کم خرچے والے کام پہ راضی ہو جائے۔"

"کم خرچے والا کام؟"

"ہاں۔ دوسری شادی۔ ڈاکٹروں کی فیس سے تو کم ہی خرچہ ہوتا ہے۔ اس کے بجائے میرے پاس زیادہ اچھا حل ہے۔"

"وہ کیا۔؟" وہ بڑے اشتیاق سے شکیلہ کے پاس کھسکی۔

"دوسری شادی؟"

"ورغلے منہ۔۔۔" کوکب برا سا منہ بنا کے اسی تیزی سے پیچھے کھسکی۔

"لیکن یہ وہ والی شادی نہیں جو منور بھائی خود کرے گا۔ یہ وہ والی شادی ہوگی جو تو کرے گی۔"

"لعنت جو گیے۔۔۔ میں کیوں کرنے لگی دوسری شادی۔ یہی کچھ سکھاتے ہیں تجھے کالج والے' میں بھی کہوں۔۔۔ کالج جاتے ہی تیری شکل پہلے سے زیادہ لعنتی کیوں ہو گئی ہے۔ شرم نہیں آئی بہن کو شادی پہ شوہر کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے۔"

"اوہو۔ میں کون سا تمہاری دوسری شادی کرا رہی ہوں باجی! میں تو منور بھائی کی دوسری شادی کی بات کر رہی ہوں' مگر یہ شادی ان کے کرنے سے پہلے پہلے تم نے کرانی ہے۔"

"ہائے ہائے پاگل ہوئی ہے۔ میں کیوں اپنے مو کی دوسری بیوی لاؤں۔"

"لانی تو پڑے گی۔ اس سے پہلے کہ وہ خود لے آئیں' تم ہی لے آؤ۔ سوچ لے تو چن کر کوئی خوب صورت لڑکی ہی لائیں گے۔ آخر پیسا پیسہ کیا ہے لیکن اگر تم لاؤ گی تو ایک تو منور بھائی تمہارے احسان مند ہو جائیں گے' ساری عمر تمہارے پیر دھو دھو کر پئیں گے اور دوسرا یہ کہ تم ایسی سوتن لاؤ گی جو ٹکے کے منور بھائی کی شادی دو دن بھی نہ چل سکے نہ بچہ ہو سکے۔"

"تو کیا کسی خسرے سے نکاح پڑھوا لوں اپنے میاں کا۔" وہ تڑپ اٹھی۔ "کیسے کیسے مشورے دیتی ہے تو شکیلہ۔"

"بالکل ٹھیک مشورہ دیتی ہوں اور یہ ڈاکٹروں کے پاس جانے کا خیال چھوڑ دے۔ یہ نہ ہو' ڈاکٹر تمہارا معائنہ کرنے کے بعد صاف جواب دے دیں اور منور بھائی جو کسی آسرے پہ تمہارے ساتھ بھاگے آرہے ہیں' مایوس ہو کر دوسری شادی کر لیں۔ تم ایسی لڑکی لاؤ جو بانجھ ہونے کی وجہ سے طلاق نہ ہو۔ بس استاد دھیان رہے کہ اس کی خبر منور بھائی کو نہ ہو اور ہو بھی تو بدشکل سی۔ غریب گھر کی۔ اولاد نہیں ہوگی تب بھی ترس کھا کے بھی وہ اسے پاس رکھنا پسند نہ کریں۔ ایسی بدصورت ہو اور پتا ہے دوسری بیوی سے بھی اولاد نہ ہونے سے مشہور ہو جائے گا نقص تم میں نہیں' خود منور بھائی میں ہے۔"

"ہائے ہائے۔" کوکب کو کنواری بہن کے منہ سے ایسی کھلی بات سن کر حیا سی آئی۔

"سچی کہہ رہی ہوں۔ اس کے بعد ایسی توبہ توبہ ہوگی کہ وہ دوبارہ دوسری شادی کا سوچیں گے بھی نہیں۔ رہا بچہ۔۔۔ تو گود لے کر پال لینا۔ سوتن کا بچہ پالنے سے تو اچھا

"ہاں۔۔۔ یہ تو ہے۔ ماننا پڑے گا شکیلہ تائی امی ٹھیک کہتی ہے' پورے خاندان میں سات نسلوں تک تیرے جیسی عقل مند لڑکی پیدا نہیں ہوگی۔"

وہ "خبیث" کہتے کہتے رکی اور اسے "عقل مند" میں تبدیل کردیا۔ تائی اماں کا اصل بیان تو یہی تھا۔

☼ ☼ ☼

پھر شکیلہ ہی کی کوششوں سے اس نے منور کے لیے رشتہ تلاشنا شروع کیا۔ پھر کچی بستی میں گئی۔ جھونپڑیوں تک کے اندر جھانکا۔ تقریباً" سب ہی جاننے والوں کی ماسیاں۔۔۔ ماسیوں کی صاحب زادیاں چیک کیں۔

"خبردار باجی! جھونپڑ پٹی اور ماسیوں کے ہاں سے لڑکی نہ لانا۔ ان پہ تو خدا کا خاص فضل ہے۔ سال میں تین تین بچے پیدا کرتی ہیں۔"

"سال میں تین تین۔۔۔" وہ حیران ہوئی۔ مبالغہ آرائی کی حد تھی۔

"لیکن شکیلہ بانجھ عورت کی حقیقت چھپائے بغیر اسے کیسے منور کی دلہن بنادوں۔۔۔؟ یہ نہ ہو کہ بعد میں بات کھلے کہ مجھے سب کچھ پتا تھا پھر بھی میں نے جان بوجھ کر۔۔۔ نہ بابا۔۔۔ مجھے میکے آکے نہیں بیٹھنا۔" پہلی بار اس نے اپنی عقل سے کوئی بات کی۔

"اچھا۔ سوچتی ہوں کچھ۔۔۔" شکیلہ کے چہرے پہ کچھ اور خباثت نظر آئی جو اس کے گہری سوچ میں جانے کا اشارہ تھا۔

☼ ☼ ☼

اور پھر شکیلہ نے اپنی ایک دوست کے توسط سے نورین کو ڈھونڈ نکالا۔

"واہ شکیلہ کیا پیس ہے۔ کسی قبولیت کے وقت میرے منہ سے نکلا تھا کہ کیا اپنے میاں کی شادی خسرے سے کرادوں۔۔۔؟ اور دیکھ تو سو ہی کروا رہی ہوں۔" ہنسی کوکب کے انگ انگ سے پھوٹی پڑ رہی تھی۔

نورین سوکھے بدن کی' پھیکی سی رنگت والی چھبیس ستائیس سالہ لڑکی تھی۔ چہرے کی ساخت کچھ کچھ ابوالہول سے ملتی جلتی۔ بھنویں گھنی۔۔۔ درمیان سے جڑی ہوئی۔ آنکھیں بھی ایک دوسرے سے بالکل قریب جیسے مصافحہ۔۔۔ بلکہ معانقہ کرنے کو بے تاب ہوں۔ ناک لمبی مگر ستواں ہرگز نہیں جتنی لمبائی اتنی چوڑائی گال پچکے ہوئے مگر جبڑوں کی ہڈیاں نمایاں۔ ہونٹ بے حد باریک' دہانہ بڑا۔ آواز بھاری' لہجہ کرخت۔۔۔ چوڑے چوڑے کھردرے ہاتھ پیر' لمبے ڈگ بھر کے چلتی پہلی نظر میں وہ کوکب کے دل کو بھا گئی۔

"باجی۔۔۔! سوتن ہو تو ایسی کہ ساتھ بیٹھی ہو تو اپنا آپ خوامخواہ لشکارے مارنے لگ جائے۔" شکیلہ نے اس کی پسند کی داد دی۔

"خاص طور پہ اس کی مونچھوں کا گچھا۔ سبحان اللہ۔۔۔" کوکب جھوم جھوم کر اس کے قصیدے پڑھنے لگی جس چیز نے اسے گرویدہ کردیا تھا۔

درحقیقت یہ مونچھیں نہیں تھیں' اوپری ہونٹ اور ناک کے عین درمیان نورین کے ایک بڑا سا پیدائشی مسہ تھا جس پہ بال اگے ہوئے تھے۔ لمبے لمبے اور موٹے۔ اب اللہ جانے صرف اس مسے کے بال ہی قدرتی طور پہ سفید تھے یا سر کے بھی تھے جو کترے چھپا لیے گئے تھے اور نہ جانے مسے کے بالوں کو کترے محروم رکھنے میں کون سی مصلحت تھی۔

"میں لکھ کے دینے کو تیار ہوں۔ یہ بچہ تو کیا چوزہ بھی پیدا نہیں کرسکتی۔"

اسی مان اور بھروسے کے سہارے وہ نورین کو منور کے لیے بیاہ لائی۔

منور کیسے مانا۔۔۔ یہ الگ کہانی ہے۔

"ہائے اللہ منور۔! ایسے انکار نہ کر۔ میں کوئی بچہ گود لے کر بھی پال سکتی ہوں لیکن وہ بچہ تمہارا اپنا ہوگا تو میں اس سے زیادہ پیار کرسکوں گی۔ اسے گود میں لے کر میرے کلیجے میں زیادہ ٹھنڈ پڑے گی۔" منور متاثر کم' حیران پریشان زیادہ تھا۔

"اور سوتن۔۔۔ اسے برداشت کرلوگی؟"

"تمہاری خوشی کے لیے سب برداشت کرلوں گی۔"

"میری ہاں تو کبھی برداشت نہ ہوئی تم سے۔" وہ دل ہی دل میں کڑھ کے رہ گیا۔

اسے کوکب کا یہ شوشہ نرا مذاق لگ رہا تھا لیکن جب وہ واقعی اس معاملے میں سرگرم نظر آئی تو اسے اس کی سنجیدگی کا احساس ہوا۔ تھوڑے سے مزید پس و پیش کے بعد وہ مان گیا۔

اولاد کی خواہش کسے نہیں ہوتی اور عمر کی پچیسویں دھائی کی جانب تیزی سے قدم بڑھاتے ہوئے تو یہ کمی اور بھی کھلنے لگتی ہے۔ اسے بھی یہ خواہش تھی۔۔۔ مگر کوکب کی دل آزاری کے خیال سے اپنے اسے دبا کے رکھا۔ اب جب وہ خود دلی سے راضی ہوگئی تو منور کو کسی نے دو بیویوں سے پرہیز تھوڑا ہی بتایا تھا۔

اس کے باوجود دولہا بننے تک' نکاح نامے پہ دستخط کرنے تک۔۔۔ حتیٰ کہ نورین کو رخصت کرا کے گھر تک لانے کے باوجود اسے دھڑکا سا لگا تھا ابھی کوکب پچھاڑ کھا کے گر جائے گی اور رو رو کے یہ شادی رکوادے گی لیکن اس کے برعکس کچھ بھی نہ ہوا۔ اس نے بڑے پیمانے پہ مقدور بھر بریانی بھی تیار کی۔۔۔ ایک چھلکا سا ہونے کا میٹ بھی دنیا دکھاوے کو لے لیا۔

عروسی جوڑا البتہ اپنا ہی دے دیا کہ اتنے سال پہلے کپڑوں کا آیا تھا اب پتا نہیں نیا کتنا مہنگا ملے اور کون سا کون پہن کر گھسا لیا ہے۔ ایک بار ہی تو پہننا تھا چند گھنٹوں کے لیے اور وہ نورین۔۔۔ مچھر۔۔۔ وہ کون سا بڑی دعوت تھی۔ جب اس کا مرد ہنسی خوشی قبول کرسکتی ہے تو اس کی اترن کیوں نہیں۔

کوکب بھی اس کے لیے خود سیٹ کیا۔ جہیز کی سب سے ناپسندیدہ بیڈ شیٹ۔ جو اس کی بھابی کے میکے میں سے کسی حسد کے مارے نے تحفے میں دی تھی۔ نکال۔ کسی نسواری رنگ کی پوت کی بیڈ شیٹ۔ جس پہ پرلے درجے کا گندی مچھس بیٹھ کر کالا بھوت لگنے لگے۔

فائل کی بو سے بھری رضائیاں۔ ان پہ چڑھے پلاسٹک کے تخت چھتے والے غلافِ۔ ایئنے جھرے کالو کلوٹے گہرے سبز رنگ کی روشنی دیتا نائٹ بلب جس کی روشنی میں اچھا بھلا انسان ڈراؤنا لگنے لگے۔

دل سے سب کچھ کرنے کے باوجود عین شادی والے دن اس کی ہمت جواب دے گئی۔ اگرچہ خاص تیاری کر رکھی تھی۔ منگا جوڑا سلوایا تھا۔ جیز بری کے سارے زیورات پالش کروائے تھے' منور سے فرمائش کرکے نئے کنگن بھی بنوائے تھے جو اس نے خوشی خوشی بنوا دیے۔ جو بیوی اسے دے رہی ہو' وہ نئے کنگن کی حق دار تو ہو سکتی ہے۔

تین دن سے بلا ناغہ بیوٹی پارلر کے پھیرے بھی لگ رہے تھے۔ یہ سارا تردد اس لیے تھا کہ منور کو پہلو میں بیٹھی دلہن کے ہوتے ہوئے بھی ساری کشش اسی میں محسوس ہو لیکن پتا نہیں کیوں عین موقع پر دل بیٹھ سا گیا۔ ہاتھ پیر ٹھنڈے ہونے لگے۔ اسے اپنا تو شا بنوانا منظور نہیں تھا اس لیے بارات کے ساتھ نہ گئی۔

بارات تھی کتنی۔ گنتی کے بارہ تیرہ لوگ تھے جو شغل میلہ دیکھنے' چھینے' چھینے۔۔۔ سے منور کے ساتھ ہولیے تھے۔ پونے دو گھنٹے بعد ان کی واپسی بھی ہوگئی۔ حالانکہ آنے جانے کا راستہ ہی کل ملا کے چالیس پچاس منٹ کا بنتا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے نورین کے ماں باپ اسے سجا سنوار کے دلہن بنا کے دلہن بٹھا کے راہ تک رہے تھے کہ بارات آئے اور وہ اس کا ہاتھ منور کے ہاتھ میں تھمائیں۔

کوکب ہاتھ میں پھولوں کی پتیوں سے بھرا تھال لے کر دروازے پہ کھڑی ہوگئی۔ منور کے بجائے زلو بھائی کی بیوی جو حسب عادت اور حسب معمول امید سے تھی۔ بلکہ بھرپور امید سے تھی۔ اپنی حالت کے پیش نظر بارات کے ساتھ نہیں گئی تھی بڑے تعجب اور رشک کے ساتھ بولی۔

"ہر بار جگرا ہے تیرا کوکب۔"

"جگر۔؟ کیا تو کر رہا ہے ان پھولوں کی پتیوں کے بجائے پسی ہوئی لال مرچیں سمجھ بھر بھر کے پھینکوں

اس بارات ہے۔" یہ اس کے دل کی آواز تھی۔ مگر وہ متانت سے مسکرادی۔

"دلہن آگئی۔ آگئی۔ دلہن آگئی۔" بچوں کا شور سا مچ جانے پہ کوکب کو اندر ہی اندر مزا آگیا۔

"گھونگھٹ اٹھنے کی دیر ہے پھر سبھی بچے "بھوؤ آگیا' بھوؤ آگیا' چلاتے پھریں گے۔" اس نے پھر اکیلے اکیلے لطف اٹھایا۔ مگر اس لطف کو پہلا دھچکا تب لگا جب اس نے گاڑی سے اترتے منور اور اس کے ساتھ ساتھ چلتی دلہن کو دیکھا۔

منور اپنی بے ساختہ خوشی کو چھپانے کی ناکام کوشش کرتا اور خود ساختہ سنجیدگی طاری کرتا حد سے زیادہ ہونق لگ رہا تھا۔

کریم کلر کے بوسکی کے شلوار سوٹ میں اس کی سانولی رنگت خاصی پکی لگ رہی تھی۔ گولڈن براؤن ویسٹ کوٹ نے تھی منی سی توند کو خاصا ڈھک لیا تھا۔ کنپٹیوں کے پاس سے ذرا ذرا سفید ہوتے بالوں کو ڈائی سے چھپایا گیا تھا اور اسے ایسا کرتے دیکھ کر تب بھی کوکب دل ہی دل میں ہنسی تھی۔

"کرلو کالے بال۔ جب اس سفید مونچھوں والی پہ نظر پڑے گی تب منہ بھی کالا کرنے کو جی چاہے گا۔"

ان سب کے باوجود وہ کسی نہ کسی طرح تھوڑا بہت مدبر اور معتبر نظر آنے میں کامیاب ہو ہی گیا تھا۔ البتہ کوکب کو دھچکا اسے نہیں اس کے برابر چلتی نورین کو دیکھ کر لگا تھا جو اس کی شادی کے میرون غرارے کے بجائے ایک نئے نویلے بھڑکیلے اور خاصے مہنگے نظر آنے والے شرارے میں ملبوس تھی۔ آج کل کا جدید کنٹراسٹ تھا۔

"یہ۔" اس نے تعجب سے بارات کے ساتھ واپس آنے والی خالہ ساس سے ادھورا سا سوال کیا جس کا جواب اس خاتون نے اس تفصیل سے دیا جیسے کب سے کسی کو جواب دینے کو ترسی ہو۔

"ہاں یہ شرارہ۔ وہ جو تم نے بری میں چڑھایا تھا ناں غرارہ' وہ اس دیدہ ہوائی دلہن نے ناک پہ ہاتھ رکھ کے پرے پھینک دیا کہ اس میں سے فینائل کی گولیوں اور چوہے مار دوائی کی بدبو آرہی ہے۔ ویسے بھی ان کے ہاں رواج ہے دلہن رخصتی کے وقت جو کپڑا پہنتی ہے اور وہ پتریاں سی سونے کی جو چڑھائی گئی تھیں تم نے وہ بھی اس نے نہیں پہنیں۔ کہ میری کرن پھل جائے کی اتنی باریک سونے کی پتری چبھنے سے اس لیے سونا بھی ادھر کا ہی پہنا ہے۔"

کوکب نے غور سے آنکھیں سکوڑ کے دیکھنا چاہا لمبے گھونگھٹ کی آڑ کی وجہ سے ان زیورات کا کچھ پتا نہیں چل رہا تھا جس کے بارے میں خالہ بتا رہی تھیں۔

"بڑی کھلی زبان ہے تیری سوتن کی۔ بہو چڑھے نقص نکال رہی تھی ہر چیز میں۔ راستے میں بھی بک بک بند نہیں ہوئی۔"

"ساری بک بک چند گھنٹوں کی مہمان ہے۔ جب منور گھونگھٹ اٹھتے ہی الٹے قدموں میرے کمرے کی جانب بھاگے گا تب بولتی بند ہو جائے گی۔"

کوکب گرمجوشی سے آگے بڑھی اور دہلیز پار کرتی نورین کے پیروں کے قریب تیل ٹپکایا۔

"ایسا ہی تیل تمہارے سارے راستے میں ٹپکا ہے بتو' پہلے قدم میں ہی رپٹ جاؤ گی۔ سنبھلنے کی کوشش کرو گی بھی تو اگلے قدم پہ پھر سے پھسلو گی۔" اور خود ہی اس کا بازو کہنی سے تھام کر اندر تک لے گئی۔ پیڑھی پہ بٹھانے کے بعد اس نے لمبا سا گھونگھٹ اٹھانا چاہا۔

"ارے کیا کر رہی ہو کوکب۔ یہ کام تو منور کے کرنے کا ہے۔" کسی نے ٹوکا تو وہ بمشکل مسکرائی۔

"ایک ہی بات ہے' وہ اور میں الگ تو نہیں۔" زبان یہ شہد ٹپکا رہی تھی اور دل الگ الاپ رہا تھا۔

"بے چارے منور۔ انہیں زحمت نہ کرنا پڑے اسی لیے تو یہ اہتمام کیا ہے۔ بے چارے آئیں گے چپل اتاریں گے۔ بیٹھیں گے۔ پھر گھونگھٹ اٹھائیں گے اور پھر دل پہ ہاتھ رکھتے میری جانب بھاگے آئیں گے۔ اس سے اچھا ہے' میں یہ گھونگھٹ پہلے ہی اٹھا کے رکھ دوں۔ پہلے قدم سے ہی پلٹ آئیں۔"

"کمرے میں گرمی بھی تو ہو رہی ہے۔ ذرا سا

گھونگھٹ اٹھا دوں' بے چاری سانس تو کھل کے لے۔"

"اور آخر گھونگھٹ الٹ ہی دیا۔"

مگر یہ کیا۔ "سانس تو خود کوکب کی بند ہونے لگی۔"

یہ وہ مردار' بے کشش چہرے اور سوکھے اچھور جیسے بالوں کی نورین تو نہ تھی۔

"دلہن۔ دلہن بدل گئی۔" وہ بوکھلا کے کھڑی ہو گئی۔

نورین نے بھی مسکارے سے لپی پلکیں اٹھا کے کڑی نظروں سے گھورا۔ جیسے دو لگانے کا ارادہ ہو۔

"پاگل ہو گئی ہو کوکب۔؟" خالہ نے ٹوکا۔

"نہیں۔ خالہ۔ یہ نورین نہیں ہے۔" وہ گھور گھور کے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اے ہے تو کیا نوید ہے؟" انہوں نے ٹھٹھا لگایا۔

"یہ وہ ہو ہی نہیں سکتی۔ اس کی مونچھیں کہاں ہیں؟"

"مونچھیں؟" دو تین حیرت میں ڈوبی آوازیں سنائی دیں۔

"تو کیا تم نے مونچھوں والی سوتن ڈھونڈی تھی؟" کسی نے بڑے طنز سے پوچھا اور پس منظر میں دبے دبے قہقہے ابھرنے لگے۔

"نہیں۔ مونچھیں نہیں۔ وہ مچھا۔ سفید مچھا۔"

"اے لو۔ یہ تو اوائی توائی بکنے لگی۔"

"نہیں بوا۔ لگتا ہے' صدمے سے دماغ الٹ گیا۔"

"ہاں نہیں تو کیا۔ کب سے ضبط کر رہی تھی۔ آخر ہے تو عورت کہاں تک برداشت کرتی۔"

"کبھی کبھی زیادہ برداشت کرنے سے کلیجہ بھی تو بٹ جاتا ہے۔"

"خالہ۔ میں سچ کہہ رہی ہوں۔ کوئی میری بھی تو سنے' یہ نورین نہیں ہے۔ وہ تو خسرا۔ وہ خسرا کہاں ہے؟"

"یہ کس خسرے کی بات کر رہی ہے خالہ؟"

"کہہ تو رہی ہوں اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ منور کی شادی اس نے بچے کی خواہش میں کی ہے اور بچہ ہونے پہ خسرے ناپتے تو آتے ہی ہیں۔ یہ شاید خیالوں خیالوں میں ابھی سے خسرے نچانے لگی ہے۔" خالہ نے اسے بازو سے پکڑا اور کھینچتی ہوئی کمرے میں لے گئی۔

"میرے منور کے ساتھ دھوکا ہوا ہے۔ لڑکی بدل دی ہے انہوں نے خالہ۔"

وہ جاتے جاتے بھی کہی دہائی دے رہی تھی مگر وہ چمکارتی ہوئی اسے لے گئیں۔ نکلتے نکلتے اپنی بہو کو اشارہ بھی کر دیا' وہ فوراً اس کے دواؤں والے تھیلے میں سے نیند کی گولیاں نکال کر کچن کی جانب بھاگی۔

اسے ایک پرسکون نیند دلانے کے پرخلوص ارادے سے دودھ میں نیند کی گولیاں پیس کر ملا دی گئیں۔ اگلے دن ساڑھے بارہ بجے وہ سو کر اٹھی تو اس کا شوہر بخیر و عافیت لوٹ چکا تھا۔

نورین ملگجے سبز کامدار جوڑے میں ملبوس اس کی جانب پشت کیے کچن میں چائے بنا رہی تھی۔

"تم۔؟ یہاں کیا کر رہی ہو؟"

گھر میں مہمانوں کی موجودگی کی وجہ سے اسے اپنا غصہ نوے فیصد چھپانا پڑ رہا تھا۔ پھر بھی دس فیصد اظہار میں بھی تسلی بخش پھنکاریں موجود تھیں۔

"چائے بنا رہی ہوں۔ پئیں گی آپ؟"

وہی ٹھہرا لہجہ۔ جس پہ کوکب پہلی ملاقات میں فدا ہوئی تھی۔ ذرا تسلی ہوئی۔

کوکب نے اس کے کاندھے پہ ہاتھ رکھ کے اپنی جانب متوجہ کیا۔ نورین آہستہ سے پلٹی۔ رات کے میک اپ کا کوئی نام و نشان نظر نہ آرہا تھا۔ اب وہ خاصی حد تک پہچان میں آرہی تھی پھر بھی۔ پھر بھی تبدیلی تو ہوئی تھی۔ کس ایک جگہ نہیں بہت سی جگہوں پہ۔

سب سے بڑی تبدیلی۔ اس کی ناک کے نیچے عین وسط پہ بنا موٹا سا کاکروچ نما مسہ۔ جس کے سفید بال گھنے کی صورت اوپری ہونٹ پہ جھکے رہتے تھے اب نظر نہیں آرہا تھا۔ بہت غور سے دیکھنے پہ اس جگہ ہلکا سا جھائی نما نشان نظر آتا تھا۔ جو شاید میک اپ کی تہہ

انتخاب میں
اکبر الہ آبادی
آتش لکھنوی
امجد اسلام امجد
اسلم انصاری
بہزاد لکھنوی
حسرت
مومن
سعد اللہ شاہ
شبنم شکیل
عباس تابش
قتیل شفائی
منیر نیازی

تہہ کی وجہ سے رات کو نظر نہیں آرہا تھا۔

بھنویں تراش کر خوش نما بنادی گئی تھیں۔ البتہ آنکھیں اپنی جگہ موجود تھیں۔ انہیں تراش کے پرے نہیں سرکایا جاسکتا تھا۔ رات کو ماہر بیوٹیشن نے اس انداز میں آئی شیڈو لگائے تھے کہ آنکھوں کا یہ نقص چھپ سا گیا تھا لیکن اب کوکب صاف پہچان رہی تھی' یہ وہی ایک دوسرے کے اندر گھسنے کو بے تاب نیناں تھے۔

لپ اسٹک اس انداز میں لگائی گئی تھی کہ لب بھرے بھرے لگ رہے تھے۔ میک اپ ان اس اسٹائل سے لگایا گیا تھا کہ اندر کو دھنسے گال اور باہر کو نکلی رخساروں کی ہڈیوں کا بھرم رہ گیا تھا۔

"تمہیں چائے بنانے کی کیا ضرورت تھی۔ نئی دلہن ہو۔" کوکب نے اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد یہ سمجھا لیا خود کو کہ سمجھوتہ کرنا ہی بہتر ہوگا۔

"تو منور بھی تو ایک رات پرانے دولہا ہیں۔ چائے بناتے تو وہ بھی اچھے نہیں لگتے۔" اس نے دل جلانے والی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور کوکب تپ کے رہ گئی۔

"خبیث کوثر! اسی نے بتایا ہوگا کہ بیڈ ٹی ہمیشہ منور بناتا ہے۔" وہ دانت کچکچا کے سوچتی رہ گئی اور نورین چائے لے کر پاس سے گزر گئی۔ اسے پتا تب چلا جب ان کے کمرے کا دروازہ ٹھک سے بند ہوا۔

☼ ☼ ☼

نورین وہی تھی۔ یعنی دلہن نہیں بدلی تھی۔ صرف اس کی جون بدلی تھی۔ تیور بدلے تھے۔

شادی کی تاریخ مقرر ہوتے ہی اس کی ایک خیر خواہ کزن نے اس کا ہاتھ تھاما اور ایک مشہور کلینک لے گئی جہاں بذریعہ لیزر سرجری چہرے کے داغ دھبوں اور بالوں کا خاتمہ کیا جاتا تھا۔ وہاں اس کا مشہور زمانہ مسہ بھی غائب ہوا' بھنوؤں کے بال' رخساروں کے دھبے' ٹھوڑی کے بھدے تل' سب غائب۔

پھر میک اپ کے لیے اپائنٹ منٹ بھی شہر کے نامور پارلر سے لی گئی۔ ان باتوں سے سدا اور دور رہنے والی نورین نے جب آئینے میں اپنا دلہن بنا عکس دیکھا تو حیران رہ گئی۔ لوگوں کے تعریفی ریمارکس نے بالکل ہی کایا پلٹ دی۔ اب وہ دل سے چاہنے لگی کہ ہمیشہ ایسی ہی نظر آئے۔

پھر کیا تھا نک سک سے درست رہنے کی وجہ سے حسین ترنہ سہی۔ مگر ٹھیک ٹھاک نظر آنے لگی۔ اور کوکب کے ٹھیک رہنے کے دن لد گئے۔

چار دن سے زیادہ لحاظ کرنے والی وہ تھی نہیں۔ پانچویں دن پھٹ پڑی۔

"بس بس رہنے دے یہ چونچلے' صبح صبح ایک کپ چائے کا بنا لیتی ہے اور سارا دن پیر پلنگ سے نیچے نہیں اتارتی۔"

پانچویں دن تک لب سی کر رکھنے والی کوکب کا خیال تھا کہ اب وہ پھٹی ہے تو پانچ دن تک تو کھل کے بولے گی۔ کہ نئی بیاہی آئی نورین اتنا لحاظ تو کرے گی مگر نورین نے پانچ دن تو کیا' پانچ سیکنڈ بھی لحاظ کرنا گوارا نہیں کیا۔

"پیر پلنگ سے اس لیے نہیں اتارتی کہ نیچے دو انچ موٹی تہہ مٹی کی ہوتی ہے۔"

"کیا۔۔۔؟ خود کیا محل سے اتر کے آرہی ہو سیدھی؟"

"دو کمروں کا گھر سہی۔۔۔ مگر کتنا صاف ستھرا تھا یہ تم نے بھی دیکھا تھا کپا۔ تبھی تو ڈھیلے تھما تھما کے جائزے لے رہی تھیں۔"

"آپا کس خوشی میں کہہ رہی ہو؟"

"تمہارے بارہ سال بڑے ہونے کی خوشی میں۔"

"تم سے کس نے کہہ دیا کہ میں تم سے بارہ سال بڑی ہوں۔" کوکب کے تو تکووں میں آگ لگ گئی۔

"آٹھ سال پرانی شادی شدہ بھی تو ہو۔"

"آٹھ سال سے تم بھی تو رشتوں کے انتظار میں ہو۔ میری شادی عمر کے سولہویں سال میں ہوئی اور تم سولہ سال سے اپنے ماں باپ کی چھاتی پہ مونگ دل رہی ہو۔ شادی چالیسویں سال میں ہوئی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم کوئی سخی ہو۔"

"ہاں تو تم بھی نہیں ہو آپا۔۔۔ دیکھی ہیں میں نے تمہاری شادی کی تصویریں۔ اچھی بھلی بڑی عمر کی نہیں۔ منور تو تمہارے ساتھ کھڑے منے لگ رہے تھے۔"

"دو دن اور آج کا دن' منور مرتا ہے' نورین منھی اور کوکب کالی ہے۔"

☼ ☼ ☼

"کیا بتاؤں میں فرخندہ۔۔۔ بڑا دھوکا ہوا ہے میرے ساتھ۔" کوکب نے پرانی ہمسائیگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے فرخندہ سے ہمدردی حاصل کرنا چاہی۔

"مشکل تو گئی گزری ہے ہی۔ کرتوت اس سے بھی برے۔"

"کل کچھ آوازیں آتو رہی تھیں' کیا ہوا تھا؟" آخر فرخندہ نے گھر سے نکلنے کا وقت اس لیے تو نکالا تھا' ان آوازوں کی تفصیل جاننے کے لیے۔

"ہونا کیا ہے۔ تم تو جانتی ہو بلکہ سارا زمانہ گواہ ہے کہ کیسے میں نے دل نکال کر منور کی دوسری شادی اپنے ہاتھوں کروائی ہے۔ بھلا کوئی خود بھی لاتا ہے اپنی سوتن۔ مگر میں نے یہ کیا' بڑی تیار کی۔ زیور ڈالا۔ کمرہ سجایا' بالکل بڑی بہن بن کے دکھایا۔"

"کس کی' منور کی۔۔۔؟"

"ہائے نہیں۔ اسی چپڑے منہ والی کی۔۔۔ میں نے سوچا دلہن ہے' یہ نہ کہے کہ سسرال میں نہ ساس' نہ نند کی لحاظ کی نے چار دن نخرے نہ اٹھائے۔ چائے مانگنے لگی تو میں نے پیار سے منع کر دیا۔ کہ لاؤ میں بنا دیتی ہوں تم بیٹھو مزے سے۔ لیکن سچ کہا ہے کسی نے' عزت ہر ایک کو راس نہیں آتی۔ وہ تو مجھ پہ الٹ پڑی۔ کہ ہاں ہاں تو ہوتی کون ہے مجھے چائے بنانے سے روکنے والی۔ اب یہ گھر بھی میرا' گھر والا بھی میرا اور گھر کا ایک ایک چپہ میرا۔ دیکھ لو فرخندہ! کیا دن دیہاڑے لٹ کر پڑا ہے میرے گھر پہ۔ کل کی آئی مجھے کونے سے لگا رہی ہے۔" فرخندہ نے اس کے آنسو پونچھے اور پھر اٹھتے اٹھتے رک کر نورین کے کمرے میں جھانکا۔

"عمر میں چھوٹی ہوں مگر رشتے میں نہیں۔ بچے' منور کی بیوی۔ ویسے میں منور کی بیوی۔ عمر میں دس بارہ سال بڑی ہے چلو اس کا لحاظ کرکے میں اس کی عزت کر سکتی ہوں لیکن میں کسی کی چودھراہٹ نہیں برداشت کروں گی۔"

"بالکل صحیح اور یہ تو تمہارا کہنا ہے کہ پڑا اپر ہے۔ ادھر تمہاری گود بھری۔ ادھر کوکب ٹکرے جا گھی۔"

"کوکب نہیں کالی۔" نورین نے چبا چبا کر کہا۔ "جس طرح اسے اپنی عمر چھپانے کا کالی بننے کا شوق ہے اس پہ یہی نام سجتا ہے۔"

اور یہ نام کسی تبرک کی طرح فرخندہ نے محلے بھر میں بانٹ دیا۔ اگلے روز کلثوم چلی آئی۔ اس کی تو دیوار سے دیوار ملتی تھی۔ اسے اس مکان میں کرائے دار ہو کر آئے ایک آدھ ہفتہ ہی ہوا تھا اور ہمسائیگی نبھانے کے لیے اسے اس گھر سے زیادہ دلچسپی کبھی نظر نہیں آئی۔

"مجھے تو آپ دیکھنے میں ہی بھلے گھر کی لگتی ہیں بہن۔!" کلثوم نے عقیدت سے کالی کا ہاتھ دبایا۔ جو مہندی سرپہ تھوپے بدذہنیت سی لگ رہی تھی۔

"ٹیک ہال باپ کی اولاد ہو تب ہی تو میاں کو لولا کا سکھ دینے کے لیے اپنے گلے میں یہ جھنڈال۔۔۔ توبہ توبہ شکل سے ہی قصائن لگتی ہے۔"

"صحیح پہچانا بہن۔! شکل سے ہی نہیں' کارتیں بھی قصائیوں والی ہیں اور مکراتے کرتا ہے کہ حد نہیں۔ ناشتے میں سوکھا توس چائے میں ڈبو ڈبو کے کھاتی ہے اور منور کے نکلتے ہی حلوہ پوری منگواتی ہے۔ دوپہر کے کھانے میں اللہ جھوٹ نہ بلوائے' چار چھ پھلکے کھا جاتی ہے پھر شام کو منور کو فون کرکے رولتی ہے کہ وہ پہر سالن میں مرچیں زیادہ تھیں' کھایا نہیں گیا۔ سوچے لیتے آؤ اب بھلا بتاؤ۔ کون سا اس کا ابا حلوائی کی دکان کھول کے بیٹھا ہے' جو خاص اس کے لیے کم نمک مرچ والے سموسے بنواتا ہے۔"

"اور تم چپ چاپ دیکھتی رہتی ہو' بتایا کرو اپنے میاں کو۔" کلثوم نے جھٹ مشورہ دیا۔

"ہاں۔۔۔ بہت چپ رہ کے تماشے دیکھ لی۔ اب

انتخاب
اکبر الہ آبادی
آتش لکھنوی
امجد اسلام امجد
اسلم انصاری
بیزار لکھنوی
حسرت
مومن
سعد اللہ شاہ
شبنم شکیل
عباس تابش
فضیل شفائی
منیر نیازی

بتاؤں گی۔" کاکی نے تہیہ کرلیا۔

"میرا تو ابھی تک سارا سامان بھی نہیں کھلا۔ کڑھی بنانی تھی آج۔ لیکن نہ بیسن مل رہا ہے نہ انار دانہ۔ اگر گھر میں پڑا ہے تو پاؤ بھر بیسن اور ایک دو چمچے انار دانے کے دے دینا۔ میرا مارکیٹ تک کا چکر بچ جائے گا۔"

"کیوں نہیں۔۔۔ کیوں نہیں۔۔۔" کاکی اپنی ہمدردنئی ہمسائی کے لیے بیسن نکالنے فوراً" کچن میں جا گھسی۔ اس سے بیسن اور انار دانہ پکڑ کے بڑی محبت سے گلے ملنے اور گرم جوشی سے خدا حافظ کہنے کے بعد جیسے ہی کاکی نے برآمدے کے تخت پہ ظہر کی نیت باندھی۔ باہر نکلتی کلثوم نے چپکے سے رخ بدلا اور گئی ننھی کے کمرے میں۔

"کیسے ماں باپ ہیں تمہارے۔ اس ڈائن کے ہوتے ہوئے تمہیں یہاں بھیج دیا۔ یہ تو تمہیں کھا پی کے ڈکار جائے گی۔"

"ارے نہیں آپا! ایسا ہاضمہ نہیں ہے اس کا جو مجھے ڈکار سکے۔ میں تو حلق میں پھنس جانے والی شے ہوں۔"

"شاباش۔۔۔" کلثوم نے پیٹھ ٹھونک کر داد دی۔

"ایسی سوتنوں سے نمٹنے کے لیے ایسا ہی حوصلہ اور بے جگری چاہیے۔ ویسے میں تو نئی ہوں محلے میں لیکن اور پرانی ہمسائیوں سے بڑی دوستی ہے اس کی۔ ہر جگہ یہی پھیلا رہی ہے کہ یتیم مسکین سمجھ کے لائی ہوں اسے۔ ترس کھا کے بیچاری کا نہ کوئی آگے۔ نہ پیچھے۔"

"خود کون سا کسی کرنل میجر کے گھرانے سے ہے۔ چھوٹی بہن چوک پہ کھڑی ہو کر سیٹیاں مارتی ہے۔"

"توبہ توبہ۔۔۔ چوک پہ سیٹیاں؟ اتنی لفنگی اور آوارہ ہے؟"

"نہیں نہیں۔ وہ ہے نا، کیا کہتے ہیں اسے۔ ٹریفک سارجنٹ اور یہ کاکی سمجھتی ہے جیسے بڑی افسر لگ گئی ہے اس کی بہن۔"

"ارے اس کے تو سات خاندانوں میں کوئی افسر نہ پیدا ہوا ہوگا۔ یہ ڈی وی ڈی پلیئر تمہارے جہیز کا ہے؟"

کلثوم نے بات کرتے کرتے سوال داغا۔

"ہاں۔۔۔" ننھی نے ڈھٹائی سے جواب دیا۔

جہیز میں اسے ایک سوٹ کیس سے زیادہ کچھ نہ ملا تھا لیکن وہ اپنی ناک نیچی کیوں کرتی یہ بتا کر کہ یہ ڈی وی ڈی پلیئر منور نے اس کی فرمائش پر لا کے دیا تھا۔

"ہمارے پاس بھی ہے مگر سی ڈی پلیئر۔ ڈی وی ڈی نہیں لگتی اس میں۔ میرا بیٹا بڑی اچھی کارٹون فلم کی ڈی وی ڈی خرید لایا مگر بے چارہ ابھی تک دیکھ نہیں سکا۔ اگر ایک آدھ دن کے لیے تم یہ دے دو تو۔۔۔"

ننھی تذبذب میں پڑ گئی۔

نئی ہمسائی۔ پہلی ملاقات۔ کیسے فوراً" اٹھا کے دے دے۔

"تمہارا اپنا ہے اس لیے مانگ لیا۔ ورنہ کاکی کا ہو تو توبہ کرو۔ میں کبھی نہ مانگتی۔ شکل سے ہی وہ اتنی کمینی اور ٹھڑولی لگتی ہے اس کا کہاں حوصلہ ہوتا کچھ دینے کا۔"

"اور کیا لے جاؤ تم۔ ایک آدھ دن کیا۔ ہفتہ بھر رکھو۔ گرمیوں کی چھٹیاں ہیں۔ بچے مزے سے فلمیں دیکھیں۔" اور کلثوم خوشی خوشی ڈی وی ڈی پلیئر اٹھا کے چلتی بنی۔

اسی طرح لوگ آتے گئے۔ اپنے اپنے مطلب نکالتے گئے اور دونوں کے جھگڑے کو ہوا دیتے رہے اور جب بات حد سے بڑھ گئی، ننھی اور کاکی کے معرکے اب ہفتہ وار ہونے کے بجائے دن میں دو دو، تین تین بار ہونے لگے تب یہی پڑوسنیں ناک تک عاجز آگئیں۔ ویسے بھی اب انہیں ملتا خاک بھی نہیں تھا۔ ان کی لگائی بجھائی کی اب نہ ننھی کو ضرورت تھی نہ کاکی کو۔

جھگڑوں کے معاملے میں وہ خود کفیل ہو گئی تھیں۔ کلثوم یا فرخندہ کے سہارے ایک دوسرے تک بات پہنچانے کی محتاجی نہیں رہی تھی۔ اب تو صرف ایک دوسرے کو کھلم کھلا سنایا جاتا بلکہ آس پاس کے دس گھر

بھی مستفید ہوتے۔

☼ ☼ ☼

"میں کہتی ہوں، آپ منّے کو سمجھاتے کیوں نہیں۔" کلثوم نے ماش کی دال چنتے ہوئے تصدق کو مشورہ دیا۔

"اب وہ منا نہیں رہا۔ کالج جانے لگا ہے اور میرا خیال ہے ایسا کچھ نہیں کرتا میرا بیٹا کہ مجھے اسے سمجھانے کی ضرورت پیش آئے۔"

"اوہو... میں اپنے بیٹے کی بات نہیں کر رہی۔ منّا آپ کا دوست منھی اور کاکی کا میاں۔"

"منور کہو۔" تصدق نے منہ بنایا۔

"کون کہتا ہے اسے منور اب۔ اس کی بیویاں تک تو اسے منا کہتی ہیں۔ میں تو کہتی ہوں، آپ کو اور محلے کے دیگر لوگوں کو اسے سمجھانا چاہیے کہ وہ اپنی بیویوں پہ کنٹرول رکھے۔"

"میں اور محلے کے دیگر لوگ..." وہ استہزائیہ ہنسا۔ "ہم ایک ایک بیوی پہ کنٹرول پانے میں ناکام ہیں۔ اسے کیا مشورہ دیں۔"

"واہ... یہ اچھی کہی۔ آپ نے اور کس کی بیوی ہے جو محلے بھر میں گھر کی بدنامی کے اشتہار لگواتی پھر رہی ہے۔"

"لیکن وہ ہم میں سے ہی کس ایک کی بیوی ہے جس نے انہیں یہ اشتہار بنا کے دیا ہے۔"

تصدق کے گہرے انداز میں کہنے پہ کلثوم چپ کر گئی اور دال کا تسلہ اٹھا کے کچن کی جانب چل دی۔

☼ ☼ ☼

"تصدق بھائی کہتے تو آپ ٹھیک ہیں۔" شاہد نے رومال سے ناک کو رگڑتے ہوئے کہا۔

"جھگڑا کس گھر میں نہیں ہوتا۔ ساس بہو میں ہوتا ہے، نند بھاوج میں ہوتا ہے، دیورانی جیٹھانی میں ہوتا ہے یہ تو پھر سوتنیں ہیں۔ ان کے درمیان چپقلش رہنا ایک فطری عمل ہے لیکن یہاں بات معمول سے بڑھ کے اس لیے ہے کہ ان کے سر پہ کوئی بزرگ نہیں۔ کوئی سمجھانے والا، ٹوکنے والا، سرزنش کرنے والا۔ اچھا برا سمجھانے والا ہوتا تو بات قابو میں رہتی، لیکن یہاں تو صرف تیل کو آگ، اور شعلوں کو ہوا دینے والے لوگ تھے۔ محلے کا ماحول خراب ہو رہا ہے۔ ہر وقت لڑائی جھگڑا، گالم گلوچ... ایسے لگتا ہے کسی پسماندہ بستی میں آنکلے ہیں۔"

تصدق نے سنجیدگی سے اپنا موقف ان چاروں کے سامنے بیان کیا۔

"تصدق صاحب! آپ تو پھر فائدے میں ہیں۔ کرائے کے مکان میں رہتے ہیں، جب چاہا بدل لیا۔ مصیبت تو ہمارے جیسوں کی ہے جنہوں نے پائی پائی جوڑ کے، قرضہ لے کر، زیور بیچ کر چھت بنائی ہے، ہم کہاں جائیں اس ماحول سے بچ کر۔"

"بھائی میرے، جب گھر میں کیچڑ بھر جائے تو گھر نہیں چھوڑا جاتا۔ کیچڑ صاف کی جاتی ہے۔ منا میرا مطلب ہے منور ہم میں سے ایک ہے۔ بھلا آدمی ہے۔ شریف النفس۔ ہمیں اس کی مدد کرنی چاہیے۔"

"بیویوں سے چھٹکارا پانے میں۔؟"

"میں سنجیدہ ہوں ملک صاحب۔ ہمیں اسے سمجھانا چاہیے کہ ہر معاملے میں شرافت نہیں چلتی، کہیں کہیں انسان کو انگلی ٹیڑھی کرنی پڑتی ہے۔"

"میں تصدق بھائی سے متفق ہوں۔" نعیم نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیا۔

"لیکن میں نہیں سمجھتا کہ صرف پڑوسی ہونے کے ناتے ہمیں ان کی گھریلو اور ذاتی زندگی میں دخل دینے کا حق ہے۔" کاشف نے اعتراض کیا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" شاہد نے چھینک مارنے کے دوران تائید کی۔

"آج کل کون پرائے پھڈوں میں ٹانگ اڑاتا ہے۔"

"یوں کہیے کہ مفت کا تماشا ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتے۔"

تصدق اب تک تحمل سے بات کر رہا تھا۔ کلثوم کو

ہے... دیر سویر ہو ہی جاتی ہے اب کیا پلّو سے بندھ کر بیٹھا رہے۔"

"سب سمجھتی ہوں۔ یہ جو اتنی بے فکری چھائی ہوئی ہے اس کے وہی مطلب ہیں۔ سیانے تو تمہاری جوانی کو بھی پروا نہیں، منور کہیں بھی ہو، کسی حال میں بھی ہو۔ یا پھر تمہیں پتا ہے کہ وہ کہاں ہے۔ تمہاری ہی کوئی فرمائش پوری کرنے کے لیے بے چارہ روزے کی حالت میں دھکے کھا رہا ہوگا۔"

"زیادہ کاکی نہ بن۔ جیسے مجھے پتا نہیں۔ وہ تمہارے میکے حاضری لگاتا ہے صبح شام۔ اب بھی دینے گیا ہوگا افطاری کا سامان۔ کیسے کیسے لوگ ہیں۔ داماد کے ترلے پہ آس لگا کر بیٹھے رہتے ہیں۔"

"منھی! زیادہ زبان نہ کھول۔ میری کھل گئی تو سنا نہیں جائے گا تیرے سے۔"

"پہلے کون سا سنا جاتا ہے۔ آواز ہے کہ پھٹا ڈھول۔"

"اور تو کیا ہے۔ خسروں کا دوا روغن۔"

عصر کے ذرا بعد شروع ہوا یہ ہنگامہ اب رات دیر تک جاری رہنے والا تھا۔ جب تک کہ دونوں تھک کر بے دم نہ ہو جاتیں۔

☼ ☼ ☼

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ میں گھر نہ جاؤں۔ وہ دونوں پریشان ہو رہی ہوں گی۔" منور نے منمنا کر کہا۔

"ہو نہیں رہی ہوں گی۔ ایک دوسرے کو کر رہی ہوں گی۔ ذرا غور سے سنو۔"

شاہد کے کہنے پہ منور نے کان لگا کر سنا۔ دونوں کا ایک دوسرے کے خاندان کو موتیوں میں تولنے کا مقابلہ جاری تھا۔ منور نے خجل ہو کر نظریں چرائیں۔

"نظریں چرا لینے سے مسئلہ حل نہیں ہوگا۔"

"تو کیسے ہوگا تصدق بھائی؟"

"تم خود چوری ہو جاؤ۔"

"مجھے کون چرائے گا۔"

"تم خود... تم چند دن کے لیے کہیں روپوش

تھی تو اس کے بردباری کے اس طویل مظاہرے کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہی ہو جاتی۔ لیکن اب وہ بھی صبر کا بیٹا اور عادت کے مطابق گرم مزاج ہو گیا۔

"آرام سے تصدق بھائی...!" نعیم نے گھبرا کے اس کا ہاتھ دبایا۔ سب سے زیادہ تماشے تو وہی شوق سے دیکھا کرتا تھا۔ بالکونی سے لٹک کر۔

شاہد نے بھی سر جھکا لیا۔ فرخندہ کی عادت سے وہ واقف تھا۔ دل بہلانے کے لیے ٹی وی وغیرہ کے بجائے وہ منھی اور کاکی کا لائیو شو دیکھنا زیادہ پسند کرتی تھی۔

"جب جھگڑوں کو ہوا دینے کے لیے پرائے معاملے کو اپنا بنایا جا سکتا ہے تو جھگڑا ختم کرانے کے لیے کیوں نہیں۔ میں آج ہی منور سے بات کروں گا اور آپ سب کو میرا ساتھ دینا ہوگا۔"

منور کو گھر جاتے ہوئے راستے میں ہی دھر لیا گیا۔ باقی سب کے ہاں ان کی بیویوں کی صورت مخبر موجود تھے اس لیے منور کو بحفاظت نعیم اور کاشف کے پارٹن میں پہنچایا گیا۔

"تصدیق بھائی! مجھے گھر جانے دیں۔ افطار کا وقت ہونے والا ہے۔ بھرے پیٹ وہ دونوں اتنی خطرناک ہوتی ہیں۔ بھوکے پیٹ تو ایک دوسرے کو پھاڑ کھائیں گی۔ کوکب سمجھے گی میں نورین کے لیے کچوریاں لینے رک گیا ہوں اور نورین سمجھے گی کوکب کی فرمائش پر قندھاری انار ڈھونڈ رہا ہوں۔"

اس نے بہتیرے ہاتھ پیر جوڑے مگر وہ سب اسے جانے دینے پہ تیار نہیں تھے۔

"سمجھے دو دونوں کو۔ تم ہماری بات سنو اور سمجھو۔"

☼ ☼ ☼

"ہائے اللہ...! منور نے تو اپنا فون بھی بند کر رکھا ہے خیر ہو۔" کوکب نے آٹھویں بار نمبر ملاتے ہوئے بڑی بی سے کہا۔

"تم کبھی منور کو منے سے منور نہ بننے دینا۔ مردذات

ہو جاؤ۔"

"لیکن پیچھے یہ دونوں اکیلی۔" وہ متذبذب تھا۔

"کیسی اکیلی! وہ دو ہیں۔ دو لوگ اکیلے نہیں ہوتے اور پھر ہم سب ہیں ناں۔ باری باری محلے کا ہر ایک گھر ان کا خیال رکھے گا۔"

"لیکن اس سے فائدہ کیا ہوگا؟"

"اس سے انہیں تمہاری قدر محسوس ہوگی۔ اندازہ ہوگا ان کو کہ تمہارا ہونا کتنا ضروری ہے۔ جب انہیں تمہاری اہمیت کا احساس ہوگا تو یہ بات بھی سمجھ جائیں گی کہ تمہارا ہونا زیادہ اہم ہے' کس کا ہونا ہے' یہ زیادہ اہم نہیں ہے۔ تمہاری جدائی انہیں یہ سکھا دے گی کہ کیسے دونوں کو تمہیں شیئر کرنا ہے۔"

"شیر بن جاؤں گا میں؟" منور نے اچانک خوش ہوتے ہوئے چھاتی پھلائی۔

تصدق نے ایک آہ بھری اور شیئر کا مطلب واضح کرنے کے بجائے اس پہ سر ہلا دیا۔

"لیکن میں جاؤں کہاں؟"

"کسی دوست کے گھر۔"

"میرے دوست تو آپ ہی ہو تصدق بھائی۔"

تصدق کے رونگٹے کھڑے ہو گئے' اس نے چشم تصور میں ننھی اور کاکی کی فوجیں اپنے گھر اترتے دیکھیں۔

"نہیں اتنے قریب نہیں۔ کسی دور کی جگہ جاؤ۔ یہاں تو انہیں پتا چل جائے گا' دیوار سے دیوار ملی ہے۔"

"ویسے بھی ہم یہ پلان عورتوں سے مخفی رکھنا چاہتے ہیں۔ تم تو جانتے ہو ان عورتوں کی عادت۔۔۔ ذرا تمہاری بیویوں نے چار آنسو بہائے' ادھر انہوں نے راز اگلا۔۔۔ جبکہ اس معاملے میں دل پتھر کرنا پڑے گا۔"

"میری ایک خالہ ہیں۔ پہلے کبھی کبھار کا ملنا ملانا تھا مگر ننھی کے آنے کے بعد تو انہوں نے ادھر کا رخ ہی نہیں کیا۔ وہاں چلا جاؤں۔۔۔؟ وہاں کا خیال بھی نہ آئے گا دونوں کو۔"

منور شاید ان کے دلائل سے پوری طرح متفق تھا' اس لیے خود جانے کے لیے آئیڈیاز پیش کرنے لگا۔

"بس پھر۔ ڈن۔"

"ڈن ڈنا ڈن ڈن۔۔۔" نعیم اور کاشف چلائے۔

☼ ☼ ☼

"رات آدھی گزر گئی۔ ابھی تک منور نہیں لوٹے۔" ننھی فون پہ رو رو کے اپنی بھاوج کو ساری تھی۔

"ہائے اماں! سارے دوستوں کو فون کر لیا۔ کچھ پتا نہیں چلا۔" دوسرے فون پہ کاکی اپنی ماں سے بات کر رہی تھی۔ رات کے اڑھائی بج رہے تھے۔

"کیسی باتیں کر رہی ہیں بھابی! وہ کوئی بچے ہیں جو۔" زیادہ تیز اور تلخ بات کہتے کہتے وہ رکی۔ کن اکھیوں سے کاکی کو دیکھا۔ پھر آواز دبا کے غرائی۔

"سیدھی طرح کہو بھابی! کہ میری فکر تمہاری فکر نہیں ہے۔ میرا میاں آئے نہ آئے تمہاری بلا سے۔ تمہیں اپنی نیند زیادہ پیاری ہے۔ یہ کہنے کی کیا ضرورت ہے کہ فون بند کر دوں۔ وہ نمبر ملا رہے ہوں گے ہونہہ۔" دوسری جانب کاکی سرگوشیوں میں ماں پہ غصہ نکال رہی تھی۔

"بہت اچھے۔۔۔ میری باتیں سن کر آپ کا بلڈ پریشر بڑھ رہا ہے۔ ٹینشن دے رہی ہوں میں؟ ٹھیک ہے۔ آپ مزے لوٹیں۔ میں جانوں' میرا گھر۔" اس نے بھی فون کھٹاک سے رکھ دیا اور مڑی تو ننھی آنکھوں میں آنسو لیے سامنے کھڑی تھی۔

"کچھ پتا چلا؟" روکھے لہجے میں پوچھا۔

"نہیں۔۔۔ تمہیں کوئی اطلاع آئی۔" اس نے بھی نفی میں سر ہلا دیا۔

اور دونوں پھپھک کے رو دیں۔

یہ پہلا دن نہیں تھا جب دونوں نے مل کے آنسو بہائے۔ آنے والے گیارہ کے گیارہ دن دونوں ایک ساتھ اس کے سہارے دن گزارتیں۔ شام آتے آتے یہ آس پھر سے ٹوٹ جاتی۔ پہلے دن دونوں پیٹھ موڑ کے روئیں۔ دوسرے دن ایک دوسرے کے

دکھ کو دکھ سے تکتے ہوئے۔ تیسرے دن ایک دوسرے کا ہاتھ تھپتھپاتے ہوئے۔ چوتھے دن شانہ ہلاتے ہوئے۔ پھر پانچویں۔ چھٹے۔ ساتویں آخر گیارہویں دن دونوں ایک دوسرے کے گلے لگ کر رو دیں۔

☼ ☼ ☼

"کیا بات ہے' آج تم دورے پہ نہیں نکلیں؟" شاہد نے فرخندہ سے پوچھا جو بڑی بے رغبتی سے ابلے ہوئے آلو دہی بڑوں کے لیے کاٹ رہی تھی۔

پچھلے گیارہ روز سے اس کا معمول تھا' دن میں دو پھیرے تو ننھی اور کاکی کے ہاں لگتے۔ کبھی ننھی کے آنسو پونچھتی کبھی کاکی کو دلاسے دیتی۔ یہی حال آس پاس کی دیگر خواتین کا تھا۔

"کیا کروں جا کے۔ اب کہنے سننے کے لیے دونوں خود کافی ہیں ایک دوسرے کو۔"

"کیا مطلب؟"

"کہاں تو اینٹ کتے کا بیر تھا دونوں میں۔ کہاں اب نیا نیا بہنا پا گانٹھ لیا ہے۔"

فرخندہ کے انداز میں مایوسی تھی مگر شاہد کا دل جھرک اٹھا۔ وہ بے تابی سے اٹھ کر تصدق کا نمبر ملانے لگا۔

"ہاں۔ مل گئی ہے مجھے بھی اطلاع۔ یہ نعیم بیٹھا ہے میرے سامنے اس کے پاس تازہ ترین خبر یہی ہے۔"

"تو پھر۔۔۔؟ کلائمکس کا وقت آن پہنچا؟"

"ہنڈرڈ پرسنٹ۔۔۔ آج آخری روزہ ہے۔ دھند چھٹے گی اور ہمارا چاند منور ہو کر نکلے گا۔ کاشف گیا ہے لینے۔"

اور پھر تصدق سے کلثوم تک' کلثوم سے فرخندہ' فرخندہ سے ناجی اور ناجی سے باقی محلے میں یہ خبر پھیل گئی کہ منا آ رہا ہے۔ بھلا ننھی اور کاکی سے یہ خبر کیسے چھپی رہتی۔ اپنے اندر امنڈتے سوالوں کو "پھر سہی" کہہ کر ناجی وہ دونوں اس کے استقبال کی تیاریاں کرنے لگیں۔

ایک تیاری وہ تھی جو کچن میں ہو رہی تھی۔ پرتکلف افطاری کے طور پر۔

دوسری تیاری وہ تھی جو آئینے کے سامنے ہو رہی تھی۔

اور تیسری تیاری بھی تھی۔ جو اندر ہی اندر پکائی جا رہی تھی۔ کہ ایک بار منا ہاتھ آئے تو سہی۔ پھر تو وہ کچھ کرنا ہے اس کے ساتھ کہ دوبارہ دو منٹ کے لیے بھی نظروں سے غائب ہونے سے پہلے دو ہزار مرتبہ سوچے گا۔

"لگتا ہے منا آ گیا۔"

منور کی 88 ماڈل کی سوزوکی کا تھکا ہوا ہارن سنتے ہی دونوں باہر کی جانب بھاگیں۔

پہلے کاشف برآمد ہوا۔ رنگ اڑا ہوا۔ ہوائیاں اڑی ہوئیں۔ ہاتھوں کے کبوتر' طوطے سب اڑے ہوئے۔

اس کے بعد جھینپا جھینپا سا منور باہر نکلا۔ وہی کریم کلر کا بوسکی کا شلوار سوٹ۔ گولڈن براؤن کلر کا ویسٹ کوٹ۔۔۔ اور اس کے پیچھے پیچھے نکلی۔۔۔ خالہ اماں کی بیوہ بیٹی۔

ہرے رنگ کے کام دار سوٹ میں ملبوس' زمرد کے گلوبند اور سونے کی چوڑیوں سے لدی۔

ننھی اور کاکی نے ایک نظر اس کے میک اپ سے لپے چہرے پہ ڈالی اور دوسری نظر ایک دوسرے کے چہرے پہ ڈالی۔

منور اب پچھلا دروازہ کھول رہا تھا اور ایک لمحے بعد ایک ایک کر کے ہرے رنگ کے جوڑے میں ملبوس خالہ اماں کی گئے وقتوں کی بیوہ۔۔۔ اور حالیہ سمگن بیٹی کے پانچوں بچے برآمد ہو رہے تھے۔